حیاتِ عُرفی شیرازی کا ایک تنقیدی مُطالعہ

از جناب ڈاکٹر محمد ولی الحق صاحب انصاری، بی۔اے آنرز، ایم۔اے، ایل ایل۔بی،
پی ایچ۔ڈی، لکچرار لکھنؤ یونیورسٹی

(۴)

عرفی کے تخلص کے متعلق بھی دو الگ الگ روایتیں ہیں، عبدالنبی فخرالزمانی کے قول کے[1] مطابق عرفی نے عنفوان شباب ہی میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا اور اس کے دوستوں نے اسے عرفی تخلص عطا کیا۔ عبدالنبی اس سلسلہ میں رقمطراز ہے کہ "در اوّل جوانی بہ وادیٔ شعر گفتن افتاد و ہرچہ از وسری زد خالی از رتبہ نبود۔ یاران اہل شیراز بہ او عرفی تخلص دادند...." عبدالنبی کے برخلاف عبدالباقی نے مآثر رحیمی اور دیباچہ کلیات عرفی دونوں میں عرفی تخلص رکھنے کی یہ وجہ قرار دی ہے چونکہ اس کا باپ وزیر داروغہ تھا لہٰذا اس کی شرعی و عرفی ذمہ داریوں کی مناسبت سے شاعر نے اپنا تخلص عرفی رکھا۔ چنانچہ اس ضمن میں مآثر رحیمی میں عبدالباقی لکھتا ہے کہ[2].... "... وسبب عرفی تخلص نمودن، این دانشور کہ چون پدرش بعضے اوقات در دیوان حکام فارس بہ امر وزارت داروغہ دارالفاضل شیراز مشغول می نمود مناسبت شرعی و عرفی را منظور داشتہ عرفی تخلص کردہ" اور اسی سلسلہ میں دیباچہ کلیات عرفی میں رقمطراز ہے کہ "چون پدرش وزیر داروغہ بود۔ مناسبت شرعی و عرفی را منظور داشتہ عرفی تخلص کردہ" اگر ان دونوں روایتوں کا تجزیہ کیا جائے

[1] میخانہ (لاہور ایڈیشن)، صفحہ ۱۹۶ و میخانہ (طہران ایڈیشن) صفحہ ۲۱۷

[2] مآثر رحیمی، جلد سوم صفحہ ۲۹۵۔

تو عبد النبی فخر الزمانی کا بیان بعید از قیاس معلوم ہوگا اس لئے کہ یہ چیز کچھ عجیب سی ہے کہ کسی شاعر کے مشہور ہو جانے کے بعد اس کے دوست اسے کوئی خاص تخلص عطا کریں۔ عرفی کی فطرت کو دیکھتے ہوئے یہ چیز اور بھی بعید از قیاس ہے کہ وہ دوسروں کے عطا کردہ تخلص کو اختیار کرے جب کہ وہ اپنے "سینۂ افگار" کے لئے "تحفۂ مرہم مسک" قبول کرنا گوارا نہیں کرتا عبد الباقی کا بتایا ہوا سبب سیدھا سادھا اور ہر لحاظ سے قابل قبول ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس بات میں شبہ پیدا کیا جائے کہ اس نے اپنے باپ کے پیشے کی مناسبت سے اپنا تخلص رکھا تھا۔

عرفی کی ابتدائی زندگی اور تعلیم و تربیت کے متعلق بھی ہماری معلومات بہت ہی محدود ہیں۔ تقی اوحدی ہی صرف ایک تذکرہ نگار ہے جو عرفی سے اس کے قیام ایران کے دوران ملا اور اس نے عرفی کے ساتھ تقریباً پانچ سال بسر کئے لیکن وہ بھی عرفی کی ابتدائی زندگی پر قطعاً روشنی نہیں ڈالتا۔ تقی کاشی بھی عرفی کے ابتدائی حالات اور اس کی تعلیم و تربیت کے متعلق صرف اتنا ہی لکھتا ہے[1] کہ "در اوائل حال شاعری در شیراز کہ موطن آن جناب است ساکن بودہ و با شعرا و مستعدان آن دیار مباحثہ و مناظرہ می نمودے تا آنکہ او را بہ قوانین شعر اطلاع تمام پیدا شد در حل و عقد نظم و فنون سخن وقوف بیش از وسعت حاصل گشت" جس سے پتہ چلتا ہے کہ عرفی کو فن شعر پر کامل عبور حاصل تھا۔ عبد الباقی نہاوندی نے دیباچہ کلیات عرفی میں اس سلسلہ میں کچھ اور معلومات فراہم کی ہیں اور وہ لکھتا ہے[2] کہ "مولانا عرفی بعضے مقدمات علمی را طے نمودہ و کسب خشبات (کذا) عالیہ نمودہ و خط نسخ را بغایت نیکو می نوشت و در موسیقی و ادوار بقدر سع وقوفے داشت" جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خاصا پڑھا لکھا انسان تھا اور عام تعلیم کے علاوہ اسے موسیقی اور مصوری میں بھی دخل تھا۔ عرفی نے خود بھی ان فنون لطیفہ میں اپنی دلچسپی کی طرف اپنے کلام میں اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ایک قطعہ میں کہتا ہے کہ:

---

[1] خلاصۃ الاشعار (مخطوطہ) مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ صفحہ ۳۱۲۔ [2] دیباچہ کلیات عرفی مخطوطہ منسلک بہ کلیات عرفی ودنیکو سا لائبریری لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ۔

زبر مہر کہ زخم لاف امتحان شرط است — بیار نائے دکن پیش از امتحاں فگار
بلے کلیم و کاذب بتو نوشتم کو نیل — بلے خلیل فنا پختہ دعویم کو نار

متذکرہ بالا معاصرین عرفی کے علاوہ محمد ہاشم خافی خاں نے بھی عرفی کی تعلیم پر روشنی ڈالی ہے اور منتخب اللباب میں وہ رقمطراز ہے کہ[1]

"عرفی شیرازی آں قدر طبع رسا داشت کہ در شروع ایام از تحصیل علم و درس اکثر کتب متداولہ فارغ شدہ"

خود عرفی کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ فلسفہ کی طرف اس کا خاص رجحان تھا اور تصوف سے اسے خاص شغف تھا۔ اور اس نے اس فن میں ایک رسالہ نفسیہ بھی تصنیف کیا۔ فلسفہ کی طرف اس کا یہ رجحان اس کی زندگی کے آخری چند برسوں میں جب کہ اسے ابو الفتح اور خان خاناں کا قرب میسر ہوا اپنے معراج پر پہونچ گیا تھا۔

عرفی کے اساتذہ کے متعلق ہمیں کسی قسم کا علم نہیں ہے لیکن ڈاکٹر نبی ہادی صاحب کاتقی اوحدی کے حوالے سے کہنا ہے کہ فن شاعری میں وہ مولانا حسین کاش کا معتقد تھا اور اس فن میں اپنی ابتدائی ترقی کے لئے وہ مولانائے مذکور کا مرہون کرم ہے۔ ہندوستان میں آنے کے بعد اپنی شاعری کو بام عروج تک پہونچانے میں اسے حکیم ابو الفتح گیلانی سے بھی مدد ملی جیسا کہ ابو الفتح کے خان خاناں کے نام ایک خط سے اور خود عرفی کے اشعار سے ظاہر ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرفی نے ایران میں اپنی زندگی کا زیادہ حصہ اپنے وطن شیراز ہی میں بسر کیا پھر بھی اس نے سرزمین ایران کے دوسرے شہروں کی بھی سیاحت کی تھی۔ اس کے ایک قطعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ طہران گیا تھا اور وہاں کی گرمی سے پریشان تھا۔ چنانچہ کہتا ہے کہ

"مرغ بریاں شدہ ہر گوشہ بود در طہران"

اس طرح اس کے مشہور قصیدہ میں کا مطلع ہے ؎

[1] منتخب اللباب، جلد اول مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال در ۱۸۶۹ء صفحہ ۱۴۱

ایں بارگاہ کیست کہ گوئیند بے ہراس ... کے ادنے فرش سطح حنیق تر اجاس

سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نجف اشرف کی بھی زیارت کرچکا تھا جہاں روضہ امیرالمومنین علی کے سامنے اپنا حسبِ بالا قصیدہ پڑھا تھا۔ عرفی کے کلیات کے بعض نسخوں میں ایسے بھی کچھ قصائد ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عرفی کے تعلقات ایران کے شاہی خاندان اور دوسرے معززین سے بھی تھے چنانچہ ایک قصیدہ جس کا مطلع ہے ؎

مژدگانے کہ آمد از عرش بریں در گوش جاں ... خسرو شاہی بنام خسرو صاحبقران

شاہ اسماعیل ثانی کی شان میں کہا گیا ہے اور ایک دوسرا قصیدہ جس کا مطلع ہے ؎

مثل زنند بزرگاں بروزگار قدیم ... کہ نگزیر بود مرحکیم را ز نہ کریم!

محمد بن اسماعیل کی مدح میں ہے۔ اسی طرح ایک قصیدہ جس کا مطلع ہے۔

ایں حق مدحی کہ می سنجی گنا ہست ایں گنا ... دست بپائے خود بہ بند آنکہ بہ جہد کن شتاہ

کسی خاتون کی شان میں کہا گیا ہے اور گمان اغلب ہے کہ خاتون پری خانم خان دختر طہماسپ صفوی ہے۔ ان کے علاوہ کچھ دوسرے قصائد ہیں جو کہ کچھ ایسے بادشاہوں کی شان میں لکھے گئے ہیں جن کے نام ان قصائد میں نہیں ہیں لیکن کیونکہ ان قصائد کا رنگ بھی متذکرہ قصائد سے ملتا جلتا ہے اور ان میں وہ شوکت نہیں ہے جو عرفی کے قصائد میں ہندوستان کی فضا میں پیدا ہو گئی تھی اس لئے غالباً وہ بھی شاہ ایران یا اس کے درباری امراء ہی کی مدح میں ہیں شاہی خاندان کے افراد کے علاوہ ایران میں عرفی کے ممدوحین میں علی بن جعفر بھی کوئی شخص ہے جس کی شان میں عرفی نے دو قصیدے کہے ہیں جن کے مطلع حسب ذیل ہیں ؎

زلفو کہ در آں چشم فتنہ گر گنجد ... بہ سینہ درد تو باللہ بیشتر گنجد

نسیم شمال تو موج بخش سراب ... سوال را بہ لب گنج بر فشاند جواب

عرفی کے کچھ اور قطعات بھی ایسے ہیں جو اس کی ایران کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہیں مثلاً اس کے ایک قطعہ تاریخ سے جو اس نے ایک بچہ کی پیدائش پر ۹۹۱ھ میں کہا تھا، پتہ چلتا ہے

کہ حسن نامی کسی شخص سے اس کے خصوصی دوستانہ مراسم تھے۔ اسی طرح اس کے ایک دوسرے قطعے سے پتہ چلتا ہے کہ ایران میں اس کے دل میں صنعت نانک میں سے کس ہستی کیلئے جگہ تھی۔

مدح طرازی کے علاوہ ایران میں شاعرانہ مجادلوں و مباحثوں میں دلچسپی لینا بھی عرفی کا خاص شغل تھا اس قسم کے مباحثے اس عہد میں عام تھے اور کاشان، یزد اور شیراز ان کا خاص مرکز تھے شعرائے کاشان میں غضنفر، نہی، حاتم، باقر، سنجر اور مسعود خود ایسے مناظروں میں پیش پیش تھے۔ یزد میں مناظروں و مباحثوں میں حصہ لینے والوں میں وحشی پیش پیش تھا اور شیراز میں عارف لاہجی اور رہنائی سرگروہ مناظرین تھے۔ عرفی نے بھی ان مناظروں میں اپنی شاعری کی ابتدا ہی سے حصہ لینا شروع کیا جس کے متعلق تقی اوحدی کہتا ہے کہ

"در عنفوان حال چوں در جادہ شانزدہ سالگی قدم در وجود در نہادم از صفاہان .....

... متوجہ شیراز شدم کہ منزل آباء و اجداد او بود و آں جا بہ خدمت و صحبت ملا عرفی رسیدم ..

..... و دراں اثنا میانہ وے و مولانا وحشی کہ در یزد بود مکالمات و مکاتبات و مباحثات قلمیہ واقع بود ....[1]" اور جس کی تصدیق تقی کاشی ان الفاظ میں کرتا ہے[2]

"در اوائل حال شاعری در شیراز کہ موطن آن جنابست بودے و با شعرا و مستعدان آن دیار مباحثہ و مناظرہ می نمودے" اس قسم کے مباحثوں سے عرفی کی علمیت اور فن شعر سے اس کی واقفیت بہت بڑھ گئی لیکن اس سے اسے نقصان بھی بہت ہوا اور اس کے بہت سے حاسد اور دشمن پیدا ہو گئے اور بقول خافی خان کے انہیں دشمنوں کی ریشہ دوانیوں نے اسے ترک وطن پر مجبور کر دیا۔[3]

---

[1] عرفات عاشقین، مخطوطہ خدا بخش لائبریری، بانکی پور، صفحہ ۔۔۔ [2] خلاصۃ الاشعار، مخطوطہ آزاد آزاد لائبریری، علی گڑھ، صفحہ ۳۰۲۔ [3] خافی خان کی عبارت حسب ذیل ہے "..... قبل ازاں کہ بحد تکلیف شرعی رسد اشعار رنگین و قصیدہ ہا برجستہ می گفت تا آنکہ ابنائے زمان بہ درد رشک بہ مزد و دوبے حظ از شدند لہذا ترک وطن نموده عازم ہندوستان گردید و سعادت ملازمت بادشاہ جہاں" (منتخب اللباب ج ۱، ص ۲۰۰)۔

عرفی کے ہندوستان میں آنے کے متعلق بھی تذکرہ نگاروں میں کافی اختلافات ہیں آغا محمد علی داعی الاسلام نے اس سلسلہ میں ایک دلچسپ داستان بیان کی ہے جو ان کے بقول اس عہد میں ایران میں عام طور سے مشہور تھی اس کہانی کے مطابق ہندوستان آنے سے قبل عرفی نجف گیا تھا اور وہاں یہ بات عام تھی کہ ایک مشعل بردار نے حضرت علی مرتضیٰ کی شان میں ایک قصیدہ روضہ مبارک کے سامنے پڑھا جس کا مطلع یہ تھا۔

شمع می ریزم برایت یا امیر المومنین ہم قد گلدستہ ہایت یا امیر المومنین

اور اسی رات کو امیر المومنین نے اسے ایک خواب میں ایک تاجر کا پتہ دیا اور ہدایت کی کہ وہ اس قصیدہ کا صلہ اس تاجر سے جا کر لے لے۔ اس تاجر کو بھی خواب میں اس مشعل بردار کو صلہ دینے کی ہدایت کردی گئی تھی چنانچہ خواب سے بیدار ہونے کے بعد مشعلچی تاجر کے پاس گیا اور امیر المومنین کی ہدایت کے مطابق اسے اپنے قصیدہ کا صلہ چار سو تومان کی شکل میں مل گیا۔ عرفی نے اس قصہ کو سننے کے بعد خیال کیا کہ جب ایک معمولی مشعل بردار کے ایک قصیدے پر امیر المومنین کی طرف اچھا صلہ مل سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ صلہ سے محروم رہے۔ چنانچہ اس نے بھی نجف ہی میں اپنا مشہور قصیدہ کہا جس کا مطلع حسب ذیل ہے ؎

ایں بارگاہ کیست کہ گویند بے ہراس کاے اوج عرش سطح حضیض ترا اساس

اور روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر اس قصیدہ کی شکل میں امیر المومنین کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا اور صلہ کا امیدوار ہوا اور رات کو خواب میں بشارت کا انتظار کرتا رہا، لیکن امام کی طرف سے خواب میں اسے کسی قسم کی ہدایت نہ ملی۔ دوسرے روز پھر اس نے یہی قصیدہ روضۂ مبارک کے سامنے پڑھا لیکن اس رات بھی اسے کسی قسم کی بشارت نہ ہوئی، صبح کو عالم ناامیدی میں وہ پھر روضۂ اقدس پر حاضر ہوا اور جھنجھلا کر کہا کہ " یا علی امامت چیز دیگر است و شعر فہمی چیز دیگر۔ آں شاعر کہ قصیدہ مہمل در مدحت ساخت بہ او۔ چہار صد تومان دادی و برائے چنیں قصیدۂ عالی من ہیچ نہ دادی " اور واپس چلا آیا۔ اسی رات کو اس نے امیر المومنین

علی مرتضیٰ کو خواب میں عالم غیض میں دیکھا جو اس سے فرما رہے تھے "از نجف بروز دیار اشتر گرانید را خوند می کنم" خواب سے بیدار ہو کر عرفی پر اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ اسی وقت وہ نجف روانہ ہوا اور فارس کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر ہندوستان چلا آیا اور یہاں اپنی گستاخی کی معذرت میں اس نے اپنا مشہور قصیدہ ترجمۃ الشوق تصنیف کیا۔[1] داعی الاسلام کی بیان کردہ اس داستان کے علاوہ مختلف تذکرہ نگاروں نے عرفی کے ہندوستان آنے کے مختلف اسباب بیان کئے ہیں۔ اس کے معاصرین میں اس کے ہندوستان آنے کے متعلق صرف عبدالنبی فخر الزمانی اور عبدالباقی نہاوندی نے دو مختلف وجہیں بیان کی ہیں۔ عبدالنبی میخانہ میں رقمطراز ہے کہ جب عرفی بیس سال کا ہوا اسوقت اس کے چیچک نکل آئی اور اس مرض سے نجات پانے کے بعد وہ اتنا بدصورت ہوگیا تھا کہ جو شخص بھی اسے دیکھتا تھا اس سے نفرت کرتا تھا جس سے عرفی سخت آزردہ ہوا اور اپنے فطری غرور کی وجہ سے اس نے اس قدر توہین برداشت نہ کی اور وطن کو خیرباد کہہ دیا۔[2] عبدالنبی کے برخلاف عبدالباقی کا کہنا کہ عرفی محض خان خاناں کی علم و ادب کی سرپرستی کی شہرت سن کر ہندوستان آیا اور اس سے معاصر رحیمی میں وہ لکھتا ہے[3] کہ "بہ قصد آں کہ مس دانش و طبیعت خود را باکسیر اصلاح این گلدستہ بند گلشن معانی نقد خالص سازد احرام حریم آستانش کہ مطاف دانشوراں

---

[1] آقا محمد علی داعی الاسلام خود اس داستان کو بے بنیاد سمجھتے ہیں۔ غالباً قصیدہ ترجمۃ کے حسب ذیل اشعار پڑھنے کے بعد لوگوں نے اس داستان کو اختراع کیا ہوگا۔

ستیزہ با تو چوں قاہر دلیل دانش نیست — زباں گزیدم و کردم ز گفتہ استغفار
ترحمے بکن آخر کہ عاجزم عاجز — نگاہ کن کہ چہ خوں می چکانم از گفتار
مرا کہ دست بگیرد کہ زیر دست توام — مرا کہ کار کشاید کہ از تو خیزد کار

[2] میخانہ (لاہور ایڈیشن) صفحہ ۱۶۹ و میخانہ (طہران ایڈیشن) صفحات ۲۱۶، ۲۱۸

[3] ماثر رحیمی، کلکتہ ایڈیشن جلد سوم، صفحات ۲۹۴، ۲۹۵

است لبتہ بہ آں سعادت استسعاد یافت" اور دیباچہ کلیات عرفی میں رقمطراز ہے کہ "عمدہ ایں اثنا صیت آوازۂ سخن سنجی و زمزمۂ نکتہ دانی در حقیقت موزونان ایران و ہندوستان مثل مولانا شکیبی اصفہانی، و نظیری نیشاپوری و ملک قمی بیگ انیسی و شریعت کاشی و میکائی خراسانی و میر معیث محوی و وقتی ہمدانی و دیگر مستعدان و ہر دو بارش سامعہ افروز او گشت در حقیقت تربیت ایں نکتہ دانان در خدمت ایں سپہ سالار بادہ سید تعہد بندگی و ملازمت نمود و مس وجود خود را بہ اکسیر اصلاح ایں خلاصہ دودمان علی شکری زر خالص ساختن پائے ہمت و ملکات سعی و اجتہاد در کعبۂ بہ ہندوستان در آمد" بعد کے تذکرہ نگاروں میں علی ابراہیم خلیل خلاصۃ الکلام[1] اور صحف ابراہیم[2] میں عبدالباقی کے خیال کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"در بلدۂ شیراز کہ مولد و منشا او ست مربی حال در خود کمال خود نیافتہ بہ قصد ملازمت عبدالرحیم خاں خاناں کہ از عطائے بے دریغ مقناطیس قلوب شعرا بودہ وارد ہندوستان گردید"

---

[1] خلاصۃ الکلام (مخطوطہ خدا بخش لائبریری، بانکی پور) صفحہ ۴۹ -

[2] صحف ابراہیم (مخطوطہ خدا بخش لائبریری، بانکی پور پٹنہ) صفحہ ۶۴۳

اخلاق اور فلسفۂ اخلاق

مؤلفہ مجاہد ملت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب مرحوم

ہماری زبان میں اب تک کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس میں ایک طرف علمی اعتبار سے اخلاق کے مکمل گوشوں پر بحث ہو اور دوسری طرف الباب اخلاق کی تشریح علمی نقطۂ نظر سے اس طرح کی گئی ہو کہ اسلام کے مجموعۂ اخلاق کی برتری دوسری ملتوں کے مقابلے میں اخلاق پر ثابت ہو جائے۔ یہ کتاب یہی پوری ہوگی

صفحات ۶۹۰ بڑی تقطیع -/۱۰ مجلد -/۹ ۔ ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی